تحریر فرماتیں۔ بالپوڑ سے جو وفد مفتی صاحب کی خدمت میں پہونچتا تو مفتی صاحب اسی سے سوال کرتے کہ بھائی ہمارے قاری جی خیریت سے ہیں۔ ایک مرتبہ والد صاحب نے کسی مسئلہ میں پریشانی ظاہر کی، مفتی صاحب وضو کر رہے تھے۔ وضو کے چپل پہنتے پہنتے والد صاحب کو لے کر سید عزیز شفیع جج صاحب کے مکان پر پہونچ گئے۔ اور فرمایا کہ ان کا کام میرا کام ہے آپ کو انجام دینا ہے۔

اتنے عظیم مناصب پر فائز ہونے کے باوجود بڑائی کا احساس دور دور تک نہ تھا کسر نفسی خوش خلقی اور ملنساری سے اپنوں اور پرایوں کے دل جیت لیتے تھے، بڑے سے بڑا مخالف ایک دو ملاقات کے بعد ولی صحیح بن جاتا تھا۔

دارالعلوم کے بحران کے زمانہ میں اکثر ان سے فیض حاصل کرنے اور ان کو قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہو، ہر مخالف، موافق کے ساتھ خندہ پیشانی کا معاملہ دیکھا، میں نے بغور جائزہ لیا کہ یہ خوش روئی صرف ظاہر تک محدود نہ تھی بلکہ باطن بھی پاک وصاف تھا، کسی سے رنجش اور کبیدگی کا کوئی خانہ نہ تھا، جذبۂ انتقام تو بڑی بات ہے۔

اس زمانہ میں بعض جریدے ناگفتنی اور غیر شائستہ مضامین لکھ رہے تھے ایک صحافی نے بعض غلط فہمیوں کے سبب مفتی صاحب کو خاص طور پر ہدف بنا رکھا تھا، مفتی صاحب سے لوگ تذکرہ کرتے، کبھی ان مضامین کو دکھاتے، لیکن مفتی صاحب کے چہرہ پر کبھی ناگواری کے آثار ظاہر نہیں ہوتے۔ فرماتے! خدا ان احباب کو فہم سلیم عطا فرمائے۔ نیرنگیٔ اتفاق کہ دن وہ صحافی صاحب خود مفتی صاحب کی مجلس میں پہونچ گئے۔ اس وقت مفتی ضیاء الحق صاحب، مولانا احمد علی قاسمی صاحب مولانا فقیہ الدین صاحب، جاوید حبیب، جناب محمد مجیب صاحب، ڈاکٹر طاہر الاسلام صاحب اور متعدد احباب موجود تھے۔ مختلف امور پر تبادلۂ خیال ہوتا رہا۔ جب رخصت ہونے لگے، تو۔۔ مفتی صاحب نے صحافیِ محترم کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا! کیوں میاں آج کل بڑے سخت مضاابن آرہے ہیں۔ ہم سے اتنے ناراض کیوں ہو؟ جو کچھ نصیحت کیا کرو، یہاں آکر کرلیا کرو، مفتی صاحب